ضروریات زندگی کی کفالت

قرآن کریم اور سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر شاکر حسین خان
(شعبہ علوم اسلامی جامعہ کراچی)

Abstract:

Islam is the natural religion.In its teaching there are verious benefits. One of its beneficial system is 'Guardianship'. Allah, the eternally Besought of All. But men is dependent to one another. It is the sacred duty of a man to fulfill his duties regarding others.

In the present article, writer is focused on the duties of man at the different stages of life. In this regard writer also discussed the problems of Talaq,Iddat, Marriages of Widows and Youngsters. Who will be the guardian of the child in case of divorce. He also discuss the meanings of Rabb, Abb and Kafeel in Islam. this study is based on the Holy Quran, Books of the Seerah,Islamic History,History of Arabs and Lughat-ul-Quran.The writer is hopefull that the present article will be usefull for the betterment of society.

Key words:Guardianship,Talaq,Iddat,Rabb,Abb, Kafeel

اسلام دین فطرت ہے۔ یہ انسانوں کی زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کرتا ہے، اسلام نے ہر انسان پر کچھ فرائض مقرر کیے ہیں جو دوسرے انسان کے حقوق کہلاتے ہیں، مذہبی اصطلاح میں انہیں حقوق العباد کہتے ہیں۔ جن کا ادا کرنا مکلّف پر لازم وضروری ہے۔ سب سے پہلا اصول جو مقرر ہوا وہ یہ کہ، اللہ رب العٰلمین کسی جاں پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: لاَ تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلاَّ وُسْعَهَا:[۱] ''کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی''۔

اور فرمایا: لاَيُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلاَّ وُسْعَهَ:[۲] ''نہیں بار ڈالتا اللہ کسی نفس پر اس کی وسعت سے زیادہ''۔

اللہ رب العٰلمین بے نیاز ہے، اس کی مخلوق میں کوئی بھی بے نیاز نہیں بلکہ ہر کوئی دوسرے کا محتاج ہے۔ اللہ

رب العلمین نے بعض انسانوں کو بعض انسانوں پر بعض معاملات میں فضیلت عطا فرمائی ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا:

فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ۔۳؎ ''فضیلت بخشی اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر''

اللہ رب العلمین نے جس کو جو بھی فضیلت عطا فرمائی اس پر لازم ہے کہ اللہ کی عطا کردہ نعمت سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے۔ جیسا کہ اللہ رب العلمین نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا ان کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔
ایک مقام پر ارشاد فرمایا: وَهُوَ الَّذِىۡ جَعَلَكُمۡ خَلٰۤئِفَ الۡاَرۡضِ وَرَفَعَ بَعۡضَكُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِىۡ مَاۤ اٰتٰٮكُمۡ: ۴؎ ''وہی تو ہے جس نے تمہیں بنایا خلیفہ اپنا زمین میں اور بلند کردیئے درجات تمہارے ایک کے دوسرے پر، تاکہ آزمائش کی جائے اس میں جو اس نے تمہیں عطا فرمایا ہے''

اور فرمایا: أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضاً سُخْرِيّاً: ۵؎ ''کیا یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں تمہارے رب کی رحمت کو، ہم نے تقسیم کیا ہے ان کی معیشت کو ان میں اور ایک کے درجے دوسرے پر بلند کردیئے اس لیے کہ ایک دوسرے کی خدمت لے''

اور فرمایا وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۶؎ ''اور اللہ نے فضیلت بخشی تم میں بعض کو بعض پر رزق میں''
اور فرمایا: وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ: ۷؎ ''اور رشتے داروں اور محتاجوں اور مسافروں کا حق ادا کرو'' اور فرمایا: وَفِيۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ: ۸؎ ''اور ان مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں کا حصہ ہے

انسان کا حقیقی رب یعنی پالنے والا اللہ رب العلمین ہے رب کے معنیٰ ومفہوم بیان کرتے ہوئے مولانا نعمانیؒ رقم طراز ہیں ''رب (کے معنیٰ) پروردگار، مالک، صاحب (کے ہیں) یہ اصل میں رَب یَرب کا مصدر ہے جس کے معنیٰ تربیت کے ہیں اور پھر مبالغہ کے لیے عدل، کی طرح بطور وصف استعمال کیا جانے لگا۔ بعض کا قول ہے کہ صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے امام راغب کا بیان ہے کہ رَب مصدر ہے جو فاعل کے لیے مستعار ہے۔ تربیت کی تعریف امامِ موصوف نے ان الفاظ میں کی ہے هو انشاء لشی حالا فحالا الی حدٰ التمام یعنی کسی چیز کو یکے بعد دیگرے سے ایک حالت سے دوسری حالت میں اس طرح نشوونما دیتے رہنا کہ حدِ کمال تک پہنچ جائے'' ۹؎ مولانا نعمانیؒ مزید نقل کرتے ہیں کہ ''ابنِ خالویہ لغوی نے تصریح کی ہے کہ رب کے معنیٰ لغت میں سید اور سردار کے ہیں (کتاب اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن الکریم، ص۲۱) رب کے معنیٰ سید (سردار) کے ہیں اور یہ معنیٰ اس وقت بن سکتے ہیں جب کہ ہم عالمین کے معنیٰ جماد کو چھوڑ کر ممیّزین یعنی ذوی العقول کے قرار دیں کیوں کہ جس طرح ''سید الناس'' کہا جاتا ہے اسی طرح ''سید الشجر والجبال'' وغیرہ کہنا درست نہیں ہے۔ رَبُ مطلقاً (یعنی جب بغیر کسی شرط کے استعمال ہو) سوائے اللہ کے جو مصالحِ موجودات کا کفیل ہے اور کسی کے لیے نہیں بولا جاتا اور اضافت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی بولا جاتا اور غیر اللہ کے لیے بھی آتا ہے

۔"۱۰ علامہ پرویزؒ کے بقول "اس کے بنیادی معنیٰ نشونما دینا، ہیں، یعنی کسی شے کو اس کے نقطہء آغاز سے بتدریج نشونما دیتے ہوئے تکمیل تک پہچا دینا، ایسا کرنے والے کو ربُ کہتے ہیں بعد میں یہ لفظ آقا اور مالک کے معنوں میں بھی استعمال ہونے لگا، اسکی جمع "ارباب" آتی ہے نیز بڑے بھائی کو بھی ربُ کہا جاتا ہے"۔۱۱ انسان کا حقیقی ربُ اللہ ہے جیسا کہ ارشاد ہوا: اَلْحَمْدُ للّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن: ۱۲ "تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو مرتبہء کمال تک پہچانے والا سارے جہانوں کا۔"

رب کی اصطلاح، اصطلاحی معنوں کے علاوہ بعض مقامات پر لغوی معنوں میں بھی انسانوں کے لیے قرآن کریم اور احادیث میں وارد ہوئی ہے۔جیسا کہ عزیزِ مصر کے لیے ارشاد ہوا اذْكُرْنِيْ عِندَ رَبِّكَ : ۱۳ "میرا ذکر کرنا اپنے رب (بادشاہ) کے سامنے"

اور ارشاد ہوا: فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ : ۱۴ "بس جب قاصد آیا ان کے پاس (فرمانِ شاہی لے کر) آپ نے فرمایا پلٹ جاؤ اپنے رب (بادشاہ) کے پاس"۔

والدین بھی انسان کے مجازی رب ہوتے ہیں، رب کی اصطلاح قرآنِ کریم میں والدین کے لیے بھی وارد ہوئی ہے، آیتِ قرآنی ملاحظہ کیجیے وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرا : ۱۵ "اور کہو پروردگار ان دونوں (والد اور والدہ) پر رحم فرما جس طرح انہوں نے میری پرورش کی (میرے مربی ہے) جب میں ننھا سا جیوڑا تھا"

اسی مفہوم میں درج ذیل آیت بھی ملاحظہ کیجیے: وَرَبَائِبُكُمُ اللاَّتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ: ۱۶ "اور وہ جن بیٹیوں کی تم پرورش کر رہے ہو (مربی ہو) تمہاری گود میں ہیں ان عورتوں کی (پہلے مرحوم شوہر سے)"

عام اردو عربی بول چال میں پرورش کرنے والے کے لیے عمومی طور پر مربی کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے، مثال کے طور پر اگر کسی کی پرورش اس کا بڑا بھائی یا اس کا چچا، کر رہا ہو تو وہ کہے گا "میرا بڑا بھائی میرا مربی ہے یا میرا چچا میرا مربی ہے، ایک روایت میں ہے کہ: وحق كبير الاخوة حق الوالد علىٰ ولد: ۱۷ "بڑے بھائی کا حق چھوٹے بھائی پر ایسا ہی ہے جیسا کہ باپ کا حق بیٹے پر ہے"۔ قرآن کریم کی درج ذیل آیت: فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلا: ۱۸ "پس جاؤ آپ اور آپ کا مربی ان سے لڑو"

آیت مذکورہ کے تحت علامہ پرویزؒ نے لکھا ہے کہ "تم اور تمہارا خدا (اس کے معنیٰ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تم اور تمہارا بڑا بھائی) دونوں جاؤ"۱۹ ہمارے نزدیک دوسری تفسیر صائب ہے۔ کیوں کہ جب اللہ رب العلمین نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا: اذْهَبْ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى: ۲۰ "تشریف لے جایئے فرعون کی جانب، وہ سرکش ہو گیا ہے" تو انہوں نے عرض کیا: وَاجْعَل لِّيْ وَزِيْراً مِّنْ أَهْلِيْ هَارُوْنَ أَخِيْ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِيْ وَأَشْرِكْهُ فِيْ أَمْرِي: ۲۱ "اور مقرر فرما دیجیئے، میرا، وزیر، میرے اہل میں سے، میرے بھائی ہارون کو، اس سے میری کمر کو مضبوط بنا دیجیئے، اور اسے

میری مہم میں شامل کر دے، تا کہ ہم دونوں مل کر بہت زیادہ آپ کی پاکی بیان کریں‘‘

ہوسکتا ہے کہ اس سرکش قوم نے موسیٰ علیہ السلام کو جو جواب دیا تھا اس سے یہی مراد ہو یہ ہی مضمون سورہ قصص (آیت ۳۲ تا ۳۵) میں بھی بیان ہوا ہے۔ جب رسول اکرم ﷺ کی چچی جان، حضرت فاطمہ بنتِ اسد زوجہ ابو طالب کا انتقال ہوا اس وقت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا ’’**لم یکن احد بعد ابی طالب ابر بی منها**: ۲۲ یعنی ’’ابو طالب کے بعد ان (فاطمہ بنتِ اسد) سے زیادہ کوئی میرا مربی نہیں تھا۔‘‘ ڈاکٹر محمد حمید اللہ فرماتے ہیں کہ ’’(اعلان) نبوت کے بعد بھی رسول اکرم ﷺ کو اپنی اس چچی کی شفقت و محبت یاد تھی۔‘‘ ۲۳

قرآن کریم میں کفالت کرنے والے کے لیے کفیل کی اصطلاح بھی استعمال ہوئی ہے، یہ اصطلاح قرآن کریم میں مختلف صیغوں کی صورت میں دس (۱۰) مرتبہ آئی ہے ۲۴ مثال کے طور پر ذیل میں دی گئی آیت ملاحظہ کیجیے:

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَـٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ: ۲۵ ’’پھر اسے اس کے رب نے اچھی قبولیت کے ساتھ قبول فرمالیا، اور اس کا کفیل زکریا کو بنادیا، زکریا جب بھی مریم کے پاس اس کے مسکن میں جاتے، تو موجود پاتے رزق، کہا مریم یہ کہاں سے آتا ہے تمہارے لیے، وہ کہنے لگیں یہ اللہ کے پاس سے آتا ہے‘‘

آیت مذکورہ میں مربی اور کفیل کے لیے یہ درس بھی موجود ہے کہ وہ جن کا کفیل و مربی بنایا گیا ہے اس پر لازم ہے کہ اپنے ماتحتوں کو اخلاقیات کی تعلیم دے انہیں ادب و احترام سکھائے۔ جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ ’’**اکرموا اولادکم واحسنوا ادباکم**۔‘‘ ۲۶ یعنی ’’اپنی اولاد کا خیال رکھو اور انہیں اچھے آداب سکھاؤ‘‘، کفیل کو چاہیے کہ اپنے ماتحتوں کی کڑی نگرانی کرے، اور ان کے ہر فعل پر نظر رکھے اور یہ کہ کون اس سے ملتا ہے۔ وہ کن لوگوں کی صحبت میں بیٹھتا ہے۔ ضروریات زندگی کی کفالت میں یہ تمام امور بھی شامل ہیں۔

رب، مربی اور کفیل کے علاوہ ایک اور اصطلاح مستعمل رہی ہے اور وہ ہے ’’اب‘‘ کا لفظ۔ ابراہیم علیہ السلام بچپن ہی میں یتیم ہوگئے تھے۔ آپ کی کفالت کا فریضہ آپ کے چچا آذر نے سرانجام دیا، ابراہیم اسے اب کہتے تھے ۲۷ رسول اکرم ﷺ نے اپنے چچا محترم عباس کے لیے فرمایا ’’**یاایها الناس من اٰذی عمی فقد اٰذانی فانّما عمّ الرجل صنوا بیه**۔‘‘ ۲۸ ’’اے لوگو جس شخص نے میرے چچا کو ستایا گویا اس نے مجھے ستایا اس لیے کہ چچا باپ کی مانند ہوتا ہے‘‘ اور فرمایا ’’**العباس منی وانامنه**‘‘ ۲۹ ’’یعنی عباس مجھ سے ہے اور میں عباس سے ہوں۔‘‘

محترم ہاشم کی وفات کے بعد ان کے بیٹے شیبہ کی کفالت ان کے بھائی مطلب نے کی اور انہی کی نسبت سے

محترم شیبہ کا نام عبدالمطلب مشہور ہو گیا تھا۔ ۳۰ محترم شیبہ یعنی عبدالمطلب رسول اکرم ﷺ کے دادا جان آپ ﷺ کے کفیل تھے، ۳۱ نجران کا ایک پادری جو رسول اکرم ﷺ کے دادا کا دوست تھا اس نے کہا کہ ہم اپنی کتاب میں اولاد اسمٰعیل میں ایک نبی کی ولادت کا ذکر پاتے ہیں جس کی یہ شکل وصورت ہوگی ابھی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ آپ ﷺ تشریف لے آئے اس پادری نے آپ کو پہچان لیا، اس کے بعد عبدالمطلب نے اپنی اولاد سے کہا اپنے بھتیجے کی حفاظت کیا کرو سنتے نہیں ہو اس کے بارے میں کیا کچھ کہا جا رہا ہے ۳۲ اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ کفیل پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے زیرِ کفالت افراد کی دشمنوں سے حفاظت کرے بالکل اس طرح جیسے پرندے اپنے بچوں کی حفاظت اپنے پروں سے ڈھکے بازوؤں سے کرتے ہیں۔ یہی بات قرآن کریم نے ماں باپ کے لیے اولاد سے کی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:
وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ: ۳۳ ''اور جھکا دو ان کے لیے عاجزی کے پر رحمت کے ساتھ''

دادا کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کی کفالت کی ذمہ داری کا فریضہ آپ کے چچاؤں نے سرانجام دیا۔ جب آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ شام کا تجارتی سفر کیا اس موقع پر بصرہ کے راہب نے اہل قافلہ کی دعوت کی۔ راہب نے دریافت کیا کہ کوئی باقی تو نہیں رہا۔ اسے بتایا گیا کہ ہاں ہمارا بھتیجا درخت کے نیچے بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے بعد آپ کے چچا حارث بن عبدالمطلب آپ کو کاندھے پر اٹھا لائے اور آپ ﷺ کو کھانے پر بٹھا دیا ۳۴ تاریخی روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے چچاؤں کے ساتھ جنگ فجار میں شرکت کی اور معاہدہ حلف الفضول میں اپنے چچا زبیر بن عبدالمطلب کے ساتھ شریک ہوئے۔ ۳۵ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول ''چوتھے فجار میں بنی ہاشم کے سردار زبیر بن عبدالمطلب تھے'' ۳۶

یہ بات عوام میں مشہور ہے کہ دادا کے انتقال کے بعد آپ ﷺ خصوصی طور پر ابو طالب کے ساتھ رہتے تھے۔ ۳۷ ابو طالب کی معاشی حالت بہتر نہیں تھی اس لیے آپ ابو طالب کے اور ابو طالب آپ ﷺ کے کفیل بنے ابو طالب کے بڑے لڑکے محترم جعفر طیار کی پرورش محترم عباس بن عبدالمطلب نے کی اور محترم علی المرتضیٰ کی کفالت رسول اکرم ﷺ نے کی۔ ۳۸ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، طبری کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ''مکے میں ایک بار قحط پڑا اور ابو طالب کا کنبہ خاص کر دشواری محسوس کرنے لگا اس وقت آنحضرت ﷺ اپنے سوتیلے چچا حضرت عباس کے پاس گئے اور فرمایا کہ اس قحط سالی میں ابو طالب کا ہاتھ بٹانا چاہیے چنانچہ حضرت علی کو آپ نے اور حضرت جعفر کو حضرت عباس نے لے کر اپنے گھروں میں رکھا'' ۳۹

محترم سید احسن گیلانیؒ رقم طراز ہیں ''غریب ابو طالب کی کفالت سے اس کے برہانی وجود میں کیا ضعف پیدا ہوتا جس کے متعلق شاید بہتوں کو علم نہیں کہ مدتوں ان کی یعنی ابو طالب کی گاران ان قراریط ۴۰ ہی پر تھی۔ جو۔۔ ان کا یتیم بھتیجا۔۔ مزدوری میں پاتا تھا۔ کیسی عجیب بات ہے جو اپنے حقیقی بچوں کی پرورش کا بوجھ بھی اپنے سر پر نہیں اٹھا سکتے اور

جعفر، عباس کی، یا علی (رضی اللہ عنہ) اس کی گود میں ڈال دیے گئے جن کی گود میں پلنے کے لیے پیدا ہوئے تھے، تو پھر یہ کیسا بے بنیاد وہم ہے کہ جس کو قدرت کا ہاتھ براہ راست پال رہا تھا، اس کی پرورش کی تہمت اس کے سر جوڑی جاتی ہے جس کی، اگر سمجھا جائے تو شاید عمر کا ایک بیشتر حصہ اسی کے بل بوتے پر گزرا جوان کا پروردہ سمجھا جاتا ہے"[۴۱] گیلانی صاحب کے موقف کی تائید درجِ ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں اللہ رب العلمین نے ارشاد فرمایا: أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيماً فَآوَى[۴۲] "کیا اس نے یتیم نہیں پایا آپ کو پھر جگہ دی (اپنی آغوشِ رحمت میں)۔"

آیت مذکورہ میں یہ اشارتاً بیان کر دیا گیا کہ اللہ رب العلمین نے آپ کو تنہا نہیں چھوڑا بلکہ اللہ رب العلمین نے آپ ﷺ کی کفالت کا خود انتظام فرمایا۔ بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو کھانا کھانے کی حاجت نہیں ہوتی تھی۔ ابو نعیم اصفہانی نقل کرتے ہیں کہ "ام ایمن کہتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو کبھی بھوک یا پیاس کی شکایت کرتے نہ دیکھا اکثر صبح اٹھ کر زم زم کے چند گھونٹ پی لیتے جب ہم کھانا پیش کرتے تو فرما دیتے مجھے کھانے کی حاجت نہیں میں سیر ہوں"[۴۳]

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے بقول "آنحضرت ﷺ کام سے پیچھے نہ ہٹتے تھے اور جب چچا کے گھر کی حالت دیکھی تو اس میں تو ذرا بھی عار محسوس نہ کی کہ اپنی بساط بھر روزی کمانے میں ہاتھ بٹائیں[۴۴] علامہ محمد طیب نقشبندی (مہتمم اسلامک سینٹر، مانچسٹر، انگلینڈ) نے کیا خوب نکتہ پیش کیا ہے، فرماتے ہیں "آپ ﷺ ابو طالب کے زیر کفالت تھے مگر ابو طالب کے پاس رہتے ہوئے بھی اس کے زیر بار نہ تھے بلکہ خود محنت مزدوری کر کے ابو طالب اور اس کی اولاد کی پرورش کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی سیرت کے اس پہلو میں یتیموں کے لیے کتنا بڑا درس عمل ہے"[۴۵] ڈاکٹر لکھتے ہیں "کہ ابو طالب نے ہی آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ بیٹا کئی سال کی قحط سالیوں سے ہمارا حال خراب ہے، ہمارے پاس نہ سرمایہ ہے نہ مال تجارت کہ اپنا کاروبار کر سکیں تم خدیجہ سے جا کر کہو کہ وہ اپنا کچھ سامان تمہاری تحویل میں بھی کرے"[۴۶]

شاہ معین الدین ندوی کے بقول "آنحضرت ﷺ کے تجارتی تجربات اور دیانت داری کا شہرہ سن کر انہوں نے درخواست کی کہ میرا سامان فروخت کرنے کے لیے شام لے جائیے جو معاوضہ دوسروں کو دیتی ہوں اس کا دگنا آپ کو دوں گی"[۴۷] اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ "ابن سعد سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ بی بی خدیجہ سے ملنے جاتے تھے۔ جو آپ ﷺ کو بہت چاہنے لگیں تھیں اور کسی وقت اپنی سہیلیوں میں بیٹھی ہوتیں اور آپ ﷺ آتے تو آپ ﷺ سے ضرور ملتیں۔ ان سماجی ملاقاتوں میں اور امور کے ساتھ معاشی اور کاروباری امور پر بھی گفتگو ہوتی ہوگی۔"[۴۸]

مذکورہ حوالوں سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ بچے کا کفیل کون ہوتا ہے؟ اور کس پر بچے کی کفالت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ انسان کی زندگی کے مختلف مراحل میں مختلف کفیل ہوتے ہیں ان میں والدین، رشتے دار، معاشرہ اور حکام شامل ہیں، ہر مکلّف اپنے ماتحتوں کی کفالت کرے گا، بادشاہ یا حاکم، اپنی رعایا کی، آقا اپنے غلام کی، سیٹھ اپنے ملازم کی، شوہر اپنی بیوی کی، باپ اپنے بچوں کی، بڑا بھائی اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کی، دادا اپنے پوتے کی، پوتا اپنے دادا کی، چچا اپنے بھتیجے کی، بھتیجا اپنے چچا اور اس کے بچوں کی، دوست اور عزیز اپنے مفلس ساتھیوں کی، اہل ثروت معاشرے کے ناداروں اور ضرورت مندوں کی کفالت کریں گے، ان کے کھانے پینے پہنے اوڑھنے علاج معالجہ، رہائش اور نکاح کا انتظام کریں گے۔ اب اگلی سطور میں ان کے احکامات کی تفصیل قرآنِ کریم اور سیرتِ طیبہ کی روشنی میں پیش کی جائے گی۔

~~~~~~~~~~~~~~~~~

بچوں کی رضاعت کے حوالے سے ارشاد ہوا:

وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا[49] ''اس کا پیٹ میں رکھنا اور دودھ چھوڑنا تیس ماہ ہے''

اور فرمایا: حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْناً عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِيْ عَامَيْنِ: [50] ''شکم میں اٹھائے رکھا اس کی ماں نے اسے اور کمزور سے کمزور حالت میں اسکے باوجود دودھ چھڑانے مین دو سال لگے''

اور فرمایا: وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ[51]: مائیں دودھ پلائیں مکمل دو سال تک اپنی اولاد کو:

پس اس کا عرصہ دو سال چھ ماہ کل تیس ماہ ہو گئے۔ اس کے حکم کے باوجود ماں کو مجبور نہیں کیا جائے گا دودھ پلانے کے لیے، اگر وہ بالرضا اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے تو اچھا ہے اور اگر معاوضہ مانگتی ہے تو بچے کا باپ دودھ پلانے کی اجرت ادا کرے گا، اگر بچے کی ماں معاوضہ لے کر بھی دودھ نہیں پلاتی تو بچے کا باپ دودھ پلانے والی کا انتظام کرے گا۔ بچے کا باپ اپنے طبیب سے مشورے سے اوپر کا دودھ (گائے۔ بکری یا ڈبے کا خشک دودھ بھی لگا سکتا ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوا ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ: [52] ''اور دودھ پلانے والی کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق ہے جس کا بچہ ہے اس کے ذمے''

سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ حکم طلاق کی صورت میں بیان کیا گیا ہے لیکن عام حالات میں بھی اس حکم پر عمل کرنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

اللہ رب العٰلمین کا ارشاد ہے

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ وَإِن تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا:۵۳؎ ’’انہیں ٹھہراؤ (طلاق کی صورت میں) جہاں تمہارا مسکن ہے اپنی حیثیت کے مطابق، اور انہیں تکلیف نہ دو تنگ کرتے ہوئے، اور اگر وہ حاملہ ہوں تو خرچ کرتے رہو ان پر، یہاں تک کہ بچے کو جنم دیدیں، پس وہ دودھ پلائیں تمہارے خاطر (بچے کو) تو تم انہیں معاوضہ دو، اور آپس میں مشورہ کرلو (معاوضہ ٹھہراتے وقت) دستور کے مطابق، اور اگر تم آپس میں طے نہ کرسکو تو اسے کوئی دوسری دودھ پلائے، خرچ کرے وسعت والا اپنی حیثیت کے مطابق، اور وہ جس پر رزق کی تنگی ہو تو بس وہ خرچ کرے جو اسے اللہ نے عطا فرمایا ہے اور اللہ کسی پر بار نہیں ڈالتا سوائے اس قدر جتنا اسے عطا کیا گیا ہے، بہت جلد اللہ تنگی کے بعد فراخی دیدے گا۔‘‘

آیتِ مذکورہ سے ثابت ہوا کہ طلاق کی صورت میں بھی عورت اپنے شوہر کے ساتھ اس کے گھر میں رہے گی اس صورت میں آدمی عورت کا اسی طریقے سے خیال رکھے گا جس طرح طلاق دینے سے پہلے خیال رکھتا تھا، شرعی طور پر اسی کو عدت کا خرچہ کہتے ہیں۔ حمل ٹھہر جانے کی صورت میں عورت اپنے شوہر کے گھر میں رہے گی بچے کو جنم دے گی تمام خرچہ آدمی کو برداشت کرنا پڑے گا، اگر وہ بچے کو دودھ پلائے گی تو دودھ پلانے کا خرچہ بھی دینا ہوگا، اگر عورت دودھ نہیں پلائے گی تو آدمی کے ذمے ہے کہ وہ کسی اور دودھ پلانے والی کا انتظام کرے۔ اگر عورت طلاق لے کر جانا چاہے تو بچے کو چھوڑ کر جاسکتی ہے اس کو زبردستی تجدیدِ نکاح کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ عورتیں جن کے شوہر مرجائیں یا جو اپنے شوہر کے گھر میں طلاق کے بعد عدت میں ہوں ان کی کفالت کے حوالے سے ارشاد ہوا

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ: ۵۴؎ ’’اور جو لوگ فوت ہوجائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں، وصیت کرجایا کریں اپنی بیویوں کے لیے کہ خرچ دیا جائے ایک برس تک (اور) نہ نکالا جائے انہیں (ان کے شوہروں کے گھر سے) پس اگر وہ خود چلی جائیں تو کوئی گناہ نہیں، جو کریں اپنے حوالے سے مناسب طور پر، اور اللہ زبردست حکمت والا ہے، اور جن کو طلاق دی گئی (اور وہ عدت میں تھیں) ان کو خرچہ دینا چاہیے مناسب طور پر یہ واجب ہے پرہیزگاروں (میت کے ورثاء) پر‘‘

آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ بیوہ عورتوں کی کفالت میت کے ورثاء پر واجب ہے، عدت کے بعد عورت جہاں جانا

چاہے خوشی سے جاسکتی ہے دوسری شادی بھی کرسکتی ہے۔ نہ انہیں (بیوہ کو) عدت کے بعد زبردستی روکا جاسکتا ہے اور نہ ہی ایک سال سے پہلے گھر سے نکالا جاسکتا ہے، البتہ جس کو طلاق دی گئی تھی اس کو عدت کے بعد جانا ہوگا۔ جو عورتیں شوہر کے گھروں میں عدت نہیں کرتیں ان کا خرچہ شوہر یا اس کے وارثوں پر واجب نہیں۔ البتہ مرحوم کے بچوں کی کفالت میت کے ورثاء پر واجب ہے اور وہی میت کے بچوں کے وارث ہیں بچے انہیں کے پاس رہیں گے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔

علامہ پرویزؒ نے لکھا ہے کہ ''ماں باپ کی علیحدگی کی صورت میں نابالغ بچے کس کی تحویل میں رہیں گے، اس کی بابت قرآن کریم نے کوئی حکم نہیں دیا'' ۵۵؎ ان کی یہ رائے مناسب معلوم نہیں ہوتی اسی طرح ڈاکٹر شکیل اوجؒ نے اپنے مقالے ''حق حضانت ایک قانونی معاشرتی مسئلہ'' میں تحریر کیا ہے کہ ''ہمارے نزدیک بچہ کی بہبود کا مطلب یہ ہے کہ حق حضانت کا فیصلہ ہر حال میں بچہ کے مفاد اور مستقبل کے پیشِ نظر کیا جائے وہ مفاد خواہ ماں کو دے کر پورا ہوتا ہو، خواہ باپ کو دے کر، خواہ خود بچہ کو اختیار دے کر'' ۵۶؎ خاکسار ان کی رائے کا احترام کرتے ہوئے ان سے اس مسئلے میں اختلاف کا حق رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ بچے کی بہبود باپ کے زیرِ سایہ پرورش پانے میں ہی مضمر ہے اور یہی قرآن کریم اور دیگر ذرائع سے ثابت ہو رہا ہے۔ خاکسار سمجھتا ہے کہ بچے کا کفیل بچے کا باپ ہے، بچہ اسی کے زیرِ سایہ پرورش پائے گا، عورت مرد کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تو اسے بچے کو وارث یعنی بچے کے باپ کے سپرد کرنا ہوگا اگر بچے کا باپ فوت ہو گیا ہو اس صورت میں بچے کے دادا، چچا، بھائی، چچازاد بھائی بچے کے وارث اور کفیل ہیں۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے باپ پر غیر شرعی وغیر اخلاقی باتوں کا الزام لگا کر عدالت کو غلط معلومات فراہم کی جاتی ہیں اور عدالت کے ذریعے بچوں کو اپنی تحویل میں لے لیا جاتا ہے اور اس طرح بچوں کے باپ کی زندگی برباد کردی جاتی ہے اور وہ اپنے بچوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتا ہے۔ بچوں کی ایسی تربیت کی جاتی ہے کہ بچے اپنے باپ کو مجرم سمجھتے ہیں۔ اس طرح ایک باپ پر ظلم کیا جاتا ہے اور یہی نہیں بلکہ اس کو قانون کی آڑ میں بچوں کے نام پر دونوں ہاتوں سے لوٹا جاتا ہے۔ جب کہ اللہ رب العلمین نے وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمادیا ''يَـا أَيُّهَـا الَّـذِيـنَ آمَـنُوا لا تَـأْكُلُوا أَمْـوَالَـكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ'' ۵۷؎ ''اے ایمان والو ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ'') اور اس کے بچے بھی چھین لیے جاتے ہیں۔ اس لیے ہمارے ملک میں قرآنی تعلیمات کے مطابق قانون سازی کی اشد ضرورت ہے۔ خاکسار کی رائے یہ ہے کہ بچوں کا وارث بچوں کا باپ ہے اس کے بچے باپ کے زیرِ سایہ پرورش پائیں گے۔ یہ باپ کی ذمہ داری ہے کہ بچوں کی دیکھ بھال کے لیے کوئی ملازمہ رکھے، یا پھر اپنی ماں، بہن، بھاوج یا چچی کی خدمات حاصل کرے یا بچوں کے لیے دوسری ماں لائے، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد سیدہ سودہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔

قرآن کریم نے نکاح کرنے اور بے نکاح افراد کے نکاح کرانے کا حکم دیا ہے اور رسول اکرم ﷺ نے بھی نکاح کرنے کی ترغیب دی اور بے نکاح افراد کے نکاح کرائے ہیں۔اس لیے ایک کفیل پر لازم ہے کہ اس کی زیر کفالت پرورش پانے والے جب شادی کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کا نکاح کرادے۔جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا: وَأَنكِحُوا الْأَيَامَى مِنكُمْ: ۵۸؎ ''اور نکاح کرادو ان کے جو تم میں بے نکاح ہیں''

قرآن کریم میں شعیب علیہ السلام کا فرمان بیان ہوا: قَالَ هَؤُلاء بَنَاتِي إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ: ۵۹؎ ''آپ نے فرمایا (اپنی قوم کے مردوں سے) یہ بیٹیاں ہیں میری (قوم کی) ان سے نکاح کرو''

شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ: ۶۰؎ ''میں چاہتا ہوں تمہارا نکاح کردوں اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کے ساتھ''

قرآن کریم میں ارشاد ہوا وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ: ۶۱؎ ''(نکاح کے لیے حلال ہیں) پاکدامن مومن عورتیں اور پاکدامن عورتیں ان کی جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی۔''

بیواؤں کو شادی کرنے اور ان کو نکاح کا پیغام دینے کے متعلق فرمایا: فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ وَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاء: ۶۲؎ ''اور جب پہنچ جائیں اپنی مدت کو تو کوئی گناہ نہیں تم پر اس میں جو وہ کریں اپنی ذات کے بارے میں مناسب طریقے سے اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو اور کوئی گناہ نہیں تم پر اس بات میں کہ اشارے سے نکاح کا پیغام پہنچاؤ ان (بیوہ) عورتوں کو''

یتیم بچیوں، بیواؤں اور باندیوں سے نکاح کے متعلق ارشاد فرمایا: وَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تُقْسِطُواْ فِي الْيَتَامَى فَانكِحُواْ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاء مَثْنَى وَثُلاَثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تَعْدِلُواْ فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ: ۶۳؎ ''اور اگر تمہیں ناانصافی کا خدشہ ہو ان یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں تو پھر ان (بیواؤں میں سے) جو عورتیں تمہیں پسند ہوں نکاح کرو دو دو، تین تین، چار چار اور اگر اندیشہ ہو کہ انصاف نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی پر اکتفا کرو یا پھر باندیاں جن کے تم مالک ہو''

اور ارشاد فرمایا وَابْتَلُواْ الْيَتَامَى حَتَّىَ إِذَا بَلَغُواْ النِّكَاحَ: ۶۴؎ ''اور یتیموں کی جانچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ

نکاح کی عمر تک پہنچ جائیں''

باندیوں سے نکاح کرنے کے متعلق فرمایا''

وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلاً أَن يَنكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِن مِّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ: ٦٥ ''اور جو نہ رکھتا ہو استطاعت تم میں سے کہ کر سکے آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح تو وہ کرے نکاح ان مسلمان باندیوں سے جو تمہاری زیر دست ہیں''

اور فرمایا: فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ: ٦٦ ''پس نکاح کرلوان (کنیزوں) سے ان کے سرپرستوں کی اجازت سے اور انہیں مہر دو دستور کے مطابق''

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ باندیوں اور کنیزوں سے بغیر نکاح کے تمتع جائز نہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری رقم طراز ہیں کہ ''یہ بات مصدقہ ہے کہ آپ ﷺ نے کسی عورت سے بطور لونڈی تمتع نہیں کیا۔ لہٰذا اس سلسلے میں روایات قابل اعتناء نہیں ہیں۔ ان بے سند روایات کا سہارا لے کر بعض غیر مسلم مصنفین نے ہرزہ سرائی کی ہے۔'' ٦٧

اس باب میں مزید ایک آیت اور ملاحظہ فرمائیے: وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وِإِنِّيَ أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ: ٦٨ ''اور (کہا ماں نے) میں نے اس بچی کا نام مریم رکھا ہے اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود (کے شر) سے''

مذکورہ آیات قرآنی سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ رب العلمین نے بے نکاحوں کے نکاح کرانے پر کتنا زور دیا ہے کوئی بھی مرد یا عورت جو نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں ان کے نکاح کرا دیئے جائیں یا جو خود استطاعت رکھتے ہوں انہیں نکاح کرنا چاہیے۔ اسلامی معاشرے کی مسلم یا اہل کتاب آزاد عورتیں ہوں یا یتیم بالغ لڑکیاں اور بیوہ عورتیں، یا مسلم باندیاں اپنی ملکیت میں ہوں یا دوسرے کی، ان سے نکاح کرنے یا ان کے نکاح کرانے کا حکم ثابت ہوتا ہے بلخصوص سورۃ نور کی آیت (وَأَنكِحُوا الْأَيَامَى مِنكُمْ) ''اور نکاح کرادوان کے جو تم میں بے نکاح ہیں'' میں وارثوں، کفالت کرنے والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جو بھی ان کا ماتحت بے نکاح ہے اس کا نکاح کرایا جائے۔

آخر میں پیش کی گئی آیت کا تعلق بھی نکاح سے بنتا ہے، سیدہ مریم صدیقہؑ کی والدہ اپنی بیٹی کو اللہ کی نذر کرتے وقت ان کی اولاد کے لیے بھی دعا گو ہیں جس سے سیدہ مریم صدیقہؑ کا نکاح کرنا ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو لڑکی یا لڑکا چرچ کو دیا جاتا تھا اس پر شادی کرنے کی پابندی نہیں ہوتی تھی یا پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کی شادی اور بچوں کی ولادت کے بعد آپ کو سپرد خدا کیا گیا ہو۔ (اصل صورتِ حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے نیز آیت مذکورہ سے عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت و نبوت بھی ثابت ہوتی ہے)۔ قرآن مجید کی ایک اور آیت سے بھی سیدہ مریمؑ کا شادی شدہ عورت ہونا

ثابت ہوتا ہے۔وہ یہ کہ اس مقام پر سیدہ مریمؑ کے لیے ''اَحْصَنَت'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔۶۹ مولانا نعمانیؒ نقل کرتے ہیں کہ ''اُحْصِنَّ. وہ نکاح میں لائی گئی اِحصان سے۔قرآن عظیم میں ''اَحْصَنَّ ''،جس موقع پر ہے وہاں منکوحہ بنانے کے معنی میں ہے۔اور قید سے بھی یہاں قید نکاح ہی مراد ہے۔''۷۰ ''شوہر والی عورت کو مُحصَنَة(اسم مفعول) کہا جاتا ہے''۷۱ اور،مُحصِنِینَ،اس فاعل جمع مذکر بیویوں والے۔۷۲

اب کتب سیرت واحادیث مبارکہ سے بھی چند مثالیں ملاحظہ کیجیے

ابن اثیر کہتے ہیں کہ'' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی خدمت میں کسی کو بھیجا اور اپنے آپ کو آپ ﷺ سے نکاح کے لیے پیش کیا بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا قریشی نسب میں اعلیٰ تھیں مال اور ذاتی وجاہت میں بڑھی ہوئی تھیں۔خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قوم کا ہر وہ فرد جو نکاح کے قابل تھا،ان سے نکاح کرنا چاہتا تھا جب آپ ﷺ کے پاس پیام پہنچا تو آپ نے اپنے چچاؤں سے ذکر کیا پھر آپ اور حمزہ بن عبدالمطلب اور ابو طالب اور دوسرے چچا،خویلد بن اسد کے مکان پر پہنچے اور پیام دیا اور شادی ہوگئی۔اور کہا گیا ہے کہ جنھوں نے بی بی خدیجہ کی شادی کی تھی،ان کے چچا عمرو بن اسد ہیں،(ان کے والد کا انتقال رسول اللہ ﷺ کے سفر تجارت سے پہلے ہو چکا تھا)۔''۷۳

مذکورہ روایت سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے باپ کے بعد دادا اور پھر چچا کا مقام ہوتا ہے وہی لڑکے اور لڑکی کے کفیل ہوتے ہیں نیز یہ کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا صاحب مال ومتاع تھیں لیکن رسول اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہ سے نکاح مال ومتاع کی لالچ میں نہیں کیا تھا۔''بی بی خدیجہ فرمایا کرتی تھیں اندیشہ مت کرو اللہ تعالیٰ تم کو آفات میں نہ ڈالے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بجز نیکی کے اور کچھ نہ کرے گا کیوں کہ تم صلہ رحم کرتے ہو اور عیال کا بار اٹھاتے ہو اور کسب کرتے ہو اور مہمانوں کی ضیافت اور حق کے کاموں پر لوگوں کی اعانت کرتے ہو اور یتیم کو جگہ دیتے ہو اور راست بات کہتے ہو اور امانت میں خیانت نہیں کرتے ہو اور عاجزوں کی دستگیری کرتے ہو اور فقیروں کے ساتھ اور لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کرتے ہو،اس اقتباس کے علاوہ اور خصوصیات کے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کسب بھی کرتے تھے اور محض مالدار بیوی کی دولت کھا کر گزارا کرنا بالکل پسند نہ فرماتے تھے،بعض روایتوں میں غلے کے بیوپار کا پتی چلتا ہے۔''۷۴

حضرت خدیجہ نہایت سخی خاتون تھیں آپ نے اپنا مال ومتاع سب کچھ اسلام کی تبلیغ پر خرچ کر دیا تھا''ابن سعد کے مطابق بی بی حلیمہ نے قحط سالی کی شکایت کی تو اس موقع پر حضرت خدیجہ نے انہیں چالیس بکریاں اور ایک اونٹ عطا کیا تھا۔''۷۵

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ رقم طراز ہیں کہ''بی بی خدیجہ کو ان کے دونوں متوفی شوہروں سے جو بچے تھے وہ غالباً عرب رواج کے مطابق بی بی کے سسرال میں رہ گئے ہوں گے''۷۶ ڈاکٹر صاحب مزید فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی گھریلو زندگی کا یہ دور

کتنا خوش گوار تھا اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ دس سال کے عرصہ میں چھ سات بچے ہوئے ۷۷ رسول اکرم ﷺ اپنی گھریلوں ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے ادا فرماتے تھے، ازواج مطہرات اور بچوں کے حقوق کا خیال رکھتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ کی اس صفت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی رقم طراز ہیں ''نبی ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ نہایت محبت اور حسن سلوک کا معاملہ کرتے تھے حضرت عائشہ کے پاس انصار کی لڑکیاں جمع ہو جاتیں اور آپ ﷺ ان کو ان کے ساتھ کھیلنے کے لیے چھوڑ (اجازت) دیتے تھے اگر وہ کسی ایسی بات کی خواہش کرتیں جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہوتی تو آپ ﷺ ان کی خواہش پوری کر دیتے وہ جس برتن سے پانی پیتیں آپ بھی اس برتن سے ان کے منہ لگانے کی جگہ منہ لگا کر پانی پی لیتے'' ۷۸

ڈاکٹر محمد شکیل اوج ؒ بیواؤں سے نکاح کرنے کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ''بیواؤں سے نکاح کرنے کی فضیلت اور اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے آقا و مولا جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی کا پہلا نکاح جس خاتون سے کیا تھا وہ بیوہ ہی تھیں اور وفات ام المؤمنین حضرت خدیجہ کے بعد بھی آپ ﷺ نے بیشتر نکاح جن عورتوں سے کیے وہ بیوائیں تھیں۔'' ۷۹

علامہ پرویزؒ، رسول اکرم ﷺ کے متعدد نکاح کرنے کے مقاصد بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ''کتب سیر و تاریخ میں جن ازواج مطہرات کا ذکر ہے، اس سے واضح ہے کہ وہ (ایک کے سوا) ایسی خواتین تھیں جو لاوارث رہ گئی تھیں اور ان کے لیے حفاظت اور باعزت چھت مہیا کرنا نہایت ضروری تھا ان میں سے بعض نہایت بلند خاندانوں کی خواتین تھیں انہیں ان کی عزت واحترام کے پیش نظر حضور ﷺ نے خود اپنے دامنِ عاطفت میں پناہ دی۔ یہ ظاہر ہے کہ ان معزز خواتین اور ان کے یتیم بچوں کو اس قسم کی باعزت پناہ اسی صورت میں مل سکتی تھی کہ انہیں جزوِ خاندان بنا لیا جاتا اگر ان کی پوزیشن آستاں اُفتادہ لاوارثوں کی سی رہتی تو اس سے جو نفسیاتی خرابیاں اُبھرتیں وہ بالکل واضح ہیں'' ۸۰ جیسا کہ تاریخی واقعات سے ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اکرم ﷺ سیدنا علی المرتضیٰؓ کے کفیل تھے اس لیے ان کی شادی خانہ آبادی کی ذمہ داری بھی رسول اللہ ﷺ پر ثابت ہوتی تھی۔ اس لیے آپ ان کی شادی کے لیے متفکر رہتے تھے۔ علامہ جعفر شاہ پھلواریؒ رقم طراز ہیں ''حضور (اکرم) ﷺ جناب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کے کفیل وسرپرست تھے اس لیے دونوں کے ازدواج کا اہتمام بھی حضور (اکرم) ﷺ ہی کو کرنا تھا جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی الگ گھر نہ تھا۔ حضور (اکرم) ﷺ کو ایک الگ گھر بسانا تھا اس لیے اس کا انتظام بھی حضور (اکرم) ﷺ ہی فرما رہے تھے۔ گھرداری کے انتظام کے لیے جو کچھ مختصر سا اہتمام حضور (اکرم) ﷺ نے مناسب سمجھا کر دیا۔'' ۸۱

رسول اکرم ﷺ کے دیگر داماد رسول اللہ ﷺ کی زیر کفالت نہیں تھے ''لیکن سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیثیت

ان سب سے مختلف تھی اب تک وہ حضور (اکرم) ﷺ کے ساتھ ہی رہتے تھے اور ازدواج فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہوا تو سارا اہتمام از سرِنو کرنا پڑا سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کوئی الگ گھر نہ تھا ایک انصاری حارثہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ایک گھر حضور (اکرم) ﷺ کی خدمت میں اسی مقصد کے لیے بخوشی پیش کر دیا تھا جس میں یہ پاکیزہ نیا جوڑا منتقل ہو گیا۔''۸۲؎ علامہ جعفر شاہ پھلواریؒ رقم طراز ہیں ''ایک حطمیہ زرہ تھی جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سوا سو روپے کی رقم (تقریباً پانچ سو درہم) میں فروخت کی تھی۔ یہی مہر کی رقم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور (اکرم) ﷺ کی خدمت میں لے کر آئے اور اسی سے حضور (اکرم) ﷺ نے گھر داری کا سارا سامان اور کچھ خوشبو وغیرہ منگوائی تھی۔''۸۳؎

ڈاکٹر اوجؔ اس حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے رقم طراز ہیں ''آنحضرت ﷺ نے اپنی بیٹی کو جو کچھ دیا تھا وہ چونکہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مہر کی رقم سے خرید کر دیا تھا بایں صورت اسے ''بری'' کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے مقابلتاً جہیز کے۔ ہمارے یہاں بری اس سامان کو کہا جاتا ہے جو لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی والوں کو پیش کیا جاتا ہے۔۔۔ ہمارے خیال میں اس ''بری'' کو لڑکی کا مہر بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔''۸۴؎

ڈاکٹر لیٰسین مظہر صدیقی رقم طراز ہیں کہ ''حضرت امِ ایمن حبشہ کی رہنے والی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے والد (سیدنا) عبداللہ کی لونڈی تھیں۔ ایامِ رضاعت کے بعد رسول اللہ ﷺ کی پرورش کے فرائض انہوں نے ہی انجام دیئے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ بڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا اور ان کا نکاح زید بن حارثہ سے کر دیا۔ حضرت اسامہ انہی کے لڑکے تھے۔''۸۵؎

نکاح کے متعلق چند روایات بھی ملاحظہ کیجیے:

رسول اکرم ﷺ سے منسوب حدیث ہے کہ ''**النکاح من سنتی فمن لم یعمل بسنتی فلیس منی**۔''۸۶؎ ''نکاح میری سنت ہے پس جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں'' اور فرمایا'' **لم (یر) للمتحابین مثل النکاح**''۸۷؎ ''دو محبت کرنے والوں میں نکاح جیسی کوئی چیز نہیں''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی متعدد بے نکاح لڑکے اور لڑکیوں کے نکاح کرائے۔ (سیدہ) عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک خادمہ تھیں اس کا نکاح انہوں نے انصار کے قبیلہ میں کر دیا، حضور گھر تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ اس بچی کو تم نے کچھ تحائف دیے ہیں۔ عرض کی گئی ہاں یا رسول اللہ! پھر پوچھا: **ارسلت معها من تغنی**، کیا اس کے ساتھ تم نے کوئی گانے والیاں بھی بھیجی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا نہیں۔ **فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الانصار قوم فیهم غزل فلو بعثتم معها من یقول اتینا کم اتینا کم فحیانا و حیاکم**

حضور ﷺ نے فرمایا کہ انصار گیتوں کو پسند کرتے ہیں اچھا ہوتا اگر دلہن کے ساتھ تم بھیجتے جو یہ گیت گاتے اتینا کم ... الخ۔ہم آئے ہیں تمہارے پاس ہم آئے ہیں تمہارے پاس سلام ہو ہم پر سلام ہو تم پر'' ۸۸

ایسے متعدد واقعات تاریخ اسلام میں انمول نگینوں کی طرح جگمگا رہے ہیں، جہاں تک اسلامی ریاست کی بات ہے کہ اسے اپنی رعایا کی ضرورتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔اس حوالہ سے درج ذیل اقتباسات اہمیت کے حامل ہیں ملاحظہ کیجیے۔ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی رقم طراز ہیں ''شریعت نے اسلامی ریاست کو اپنے تمام شہریوں کا ولی (سرپرست) قرار دیا ہے سرپرستی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ان افراد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔نبی ﷺ نے فرمایا **الله و رسوله مولیٰ له** ۸۹ ''جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا سرپرست اللہ اور اس کا رسول ہے''۔'' **السلطان ولی من لا ولی له** ۔'' ۹۰ ''جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کی سرپرست حکومت ہے۔'' یہ بات کہ سرپرستی صرف نکاح کت معاملہ تک محدود نہیں ہے بلکہ ایک عمومی سرپرستی ہے جس میں رعایا کی ضرورت کی تکمیل بدرجہ اولیٰ شامل ہے۔'' ۹۱

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی رقم طراز ہیں ''آپ نے قرض کے علاوہ مرنے والے کی چھوڑی ہوئی دوسری ذمہ داریوں مثلاً بے سہارا اہل و اولاد کی کفالت کے سلسلے میں بھی یہی اعلان فرمایا 'مَن **ترک مالاً فلاهلیه و من ترک ضیاعًا فالی** '' ۹۲ جو مال چھوڑ جائے تو وہ مال اس کے گھر والوں کے لیے ہے اور جو (کسی کو) بے سہارا چھوڑ جائے تو اس کی ذمہ داری میرے سر ہوگی۔''۔۔فالی کے معنٰی ہیں کہ میں کی کی کفالت کروں گا اور اس پر مال خرچ کروں گا۔'' ۹۳ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی رقم طراز ہیں ''نبی ﷺ کے بعد جو افراد اسلامی ریاست کی صدارت کے منصب پر فائز ہوئے انہیں اپنی ان وسیع ذمہ داریوں کا پورا شعور تھا اس حقیقت پر خلافت راشدہ کی پوری تاریخ گواہ ہے۔'' ۹۴

ہم تو خلافتِ راشدہ کو نبوت کا جز قرار دیتے اور خلفائے راشدین کی توہین کو عین کفر سمجھتے اہیں۔انہوں نے ہی حضور ﷺ کے جانے کے بعد دین کو نافذ کیا۔جیسا کہ اللہ رب العلمین کا فرمان ہے : **وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ** ۹۵ ''وعدہ فرمایا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے، اور نیک عمل کیے، کہ ہو ضرور زمین میں میں خلافت دے گا اسی طرح جیسے ان سے پہلے والوں کو دی تھی۔اور ان کے لیے مستحکم کردے گا ان کے دین کو، جسے پسند فرمایا ہے اس نے ان کے لیے۔وہ ضرور داخل کرے گا انہیں حالت خوف سے حالتِ امن میں۔وہ میری عبادت کرتے ہیں نہیں بناتے شریک میرا اور انکار کیا جس نے اس (خلافت راشدہ کے قیام) کے بعد تو وہی لوگ فاسق ہیں''۔(آیت مذکورہ ایک الگ مضمون کی متقاضی ہے (جس کی تفسیر اس مقام پر نہیں کی جا سکتی)۔ ۹۶

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی رقم طراز ہیں'' کفالتِ عامہ کی ذمہ داری کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تصور اتنا وسیع اور ہمہ گیر تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ اگر دار اسلام کے حدود کے اندر کوئی جانور بھی بھوک سے مرگیا تو مجھے اندیشہ ہے کے اللہ کے حضور مجھے اس کے لیے جوابدہ ہونا پڑے گا''۹۷ نیز لکھتے ہیں'' شام کے سفر میں آپ کو راستہ میں کچھ عیسائی ملے جو جذام میں مبتلا تھے۔ آپ نے ان کی معذوری کے پیش نظر ان کے لیے روزینہ جاری کرنے کا حکم دے دیا۹۸ غیر مسلم رعایا کی ضروریات کی تکمیل کا یہ اہتمام صرف حضرت عمر کی شفقت کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ ابتداء ہی سے یہ اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا ایک اہم اصول تھا۔''۹۹ اللہ رب العلمین ہمیں اسلامی تعلیمات کا عامل بنائے۔ آمین۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ سورۃ البقرہ (۲) آیت: ۲۳۳

۲۔ سورۃ البقرہ (۲) آیت: ۲۸۶

۳۔ سورۃ النساء (۴) آیت: ۳۲

۴۔ سورۃ الانعام (۶) آیت: ۱۶۵

۵۔ سورۃ الزخرف (۴۳) آیت: ۳۲

۶۔ سورۃ النحل (۱۶) آیت: ۷۱

۷۔ سورۃ بنی اسرائیل (۱۷) آیت: ۶

۸۔ (سورۃ الذریٰت (۵۱) آیت: ۱۹

۹۔ نعمانی، محمد عبدالرشید، مولانا، لغات القرآن (کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۹۴ء) جلد۲، حصہ۳، صفحہ ۴۵

۱۰۔ لغات القرآن جلد۲، حصہ۳، صفحہ ۴۶۔۴۷

۱۱۔ پرویز، تبویب القرآن، (لاہور، طلوعِ اسلام ٹرسٹ، ۲۰۱۵ء) ص ۵۸۶

۱۲۔ سورۃ الفاتحہ (۱) آیت ۱

۱۳۔ سورۃ الیوسف (۱۲) آیت ۴۲

۱۴۔ سورۃ الیوسف (۱۲) آیت: ۵۰

۱۵۔ سورۃ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۲۴

۱۶۔ سورۃ النساء (۴) آیت ۲۳

۱۷۔ اعظمی، عبدالمصطفٰی، جنتی زیور (لاہور، شبیر برادرز، نومبر ۲۰۰۱ء) ص ۵۵ بحوالہ مشکوۃ شریف، مجتبائی، ج ۲، ص ۴۲۱۔

۱۸۔ سورۃ المائدہ (۵) آیت ۲۴

۱۹۔ پرویز، مطالب الفرقان، (لاہور، ادارہ طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۸۱ء) جلد ۴، ص ۴۹۱

۲۰۔ سورۃ طٰہٰ (۲۰) آیت ۲۴

۲۱۔ سورۃ طٰہٰ (۲۰) آیت ۲۹ تا ۳۲

۲۲۔ ابن البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، جلد دوم، ص ۸۵۲۔ (WWW,Al-Mostafa,Com)

۲۳۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، (کراچی، دارالاشاعت، ۲۰۰۳ء) ص ۵۱

۲۴۔ عبدالباقی، محمد فواد، المعجم المفھرس لالفاظ القرآن الکریم، (المصر، مطبوعہ منشورات ذوی القربیٰ، ۱۹۸۸ء) ص ۷۷۹

۲۵۔ سورۃ ال عمران (۳) آیت ۳۷

۲۶۔ سنن ابن ماجہ، حدیث ۳۶۷۱، (لاہور، مکتبہ العلم۔ س ن) ج ۳، ص ۱۸۲

۲۷۔ اس کے متعلق گفتگو اپنے مقالہ ''معارف القرآن کا خصوصی مطالعہ'' میں کر چکے ہیں، تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے، ایچ۔ ای۔ سی، س سے منظور شدہ، ششماہی الایام کراچی، شمارہ نمبر ۱۲، جولائی ۲۰۱۵، ص ۷۷ تا ۸۵

۲۸۔ جامع ترمذی شریف مترجم (لاہور، مکتبۃ العلم، تاریخ ندارد) جلد دوم، حدیث ۱۶۹۵، ص ۳۷۷

۲۹۔ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، جولائی ۲۰۰۴ء (راقم کا مضمون ''عم النبی حضرت عباس بن عبد المطلب'') ص ۴۲/ بحوالہ مشکوٰۃ شریف، باب مناقب اہل بیت النبی ﷺ (لاہور، ناشران قرآن، س ن) ص ۸۶۰

۳۰۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، اردو، (کراچی، قرطاس، جون ۲۰۱۵ء) جلد ۲، ص ۲۶

۳۱۔ منصور پوری، سلیمان سلمان، قاضی، رحمۃ للعالمین (کراچی، دارالاشاعت، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۵ء) جلد اول، ص ۴۵ (بحوالہ: خطبات احمدیہ، سرسید احمد خان، / زاد المعاد)

۳۲۔ اصفہانی، ابو النعیم احمد، دلائل النبوۃ، اردو (لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، جولائی ۱۹۹۹ء)، ص ۱۴۷

۳۳۔ سورۃ بنی اسرائیل (۱۷) آیت: ۲۴

۳۴۔ دلائل النبوۃ، اردو، ص ۱۵۰۔۱۵۱

۳۵۔ اعظمی، عبد المصطفیٰ، سیرت مصطفی، (لاہور، فرید بک اسٹال، تاریخ ندارد) ص ۷۳۔۷۴

۳۶۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۶۰۔

۳۷۔ رحمۃ للعالمین جلد اول، ص ۴۵

۳۸۔ گیلانی، مناظر احسن، سید، النبی الخاتم (کراچی، محمد علی کارخانہ کتب، تاریخ ندارد) ص ۳۴

۳۹۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۷۰۔

۴۰۔ خاص وزن کے معمولی سکوں کو کہتے ہیں۔

۴۱۔ النبی الخاتم، ص ۳۳۔۳۴۔

۴۲۔ سورۃ الضحٰی (۹۳) آیت ۶

۴۳۔ لائل النبوۃ، اردو، ص ۱۴۹۔

۴۴۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۵۱۔۵

۴۵۔ دلائل النبوۃ، اردو، ص ۱۵۷

۴۶۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۶۴

۴۷۔ ندوی، معین الدین، شاہ، تاریخ اسلام، (لاہور، مکتبہ خلیل، تاریخ ندارد)، جلد اول، حصہ اول، ص ۳۱

۴۸۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۶۵

۴۹۔ سورۃ احقاف (۴۶) آیت ۱۵

۵۰۔ سورۃ لقمان (۳۱) آیت ۱۴

۵۱۔ سورہ البقرہ (۲) آیت ۲۳۳

۵۲۔ سورۃ البقرہ (۲) آیت ۲۳۳

۵۳۔ سورۃ اطلاق (۶۵) آیت: ۶۔۷

۵۴۔ سورۃ البقرہ (۲) آیت: ۲۴۰۔۲۴۱

۵۵۔ پرویز، قرآنی قوانین (لاہور، طلوعِ اسلام ٹرسٹ، نومبر ۲۰۱۵ء) ص ۸۱۔۸۲

۵۶۔ اوج، محمد شکیل، ڈاکٹر، نسائیات، (کراچی، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی، جون ۲۰۱۲ء) ص ۲۲۴

۵۷۔ سورۃ النساء (۴) آیت ۲۹

۵۸۔ سورۃ النور (۲۴) آیت: ۳۲

۵۹۔ سورۃ الحجر (۱۵) آیت: ۱۷

۶۰۔ سورۃ القصص (۲۸) آیت: ۲۷

۶۱۔ سورۃ النسآء (۴) آیت ۳

۶۲۔ سورۃ النساء (۴) آیت ۲۳۳۔۲۳۴

٦٣۔ سورۃ النساء(٤) آیت ٤٣

٦٤۔ النساء(٤) آیت ٦

٦٥۔ سورۃ النساء(٤) آیت ٢٥

٦٦۔ سورۃ النساء(٤) آیت: ٢٥

٦٧۔ نسائیات، ص ٢٠٠۔ بحوالہ سیرت رسول، (لاہور، منہاج القرآن پبلی کیشنز، ٢٠٠٥ء) ج ٦، ص ٢٦٦

٦٨۔ سورۃ ال عمران (٤) آیت ٣٦

٦٩۔ سورۃ التحریم (٦٦) آیت ١٢

٧٠۔ لغات القرآن جلد ١، حصہ ١، ص ٣٣۔٣٤

٧١۔ ایضاً، جلد ٣، حصہ ٥، ص ٣٢٧

٧٢۔ ایضاً، ص ص ٣٢٨

٧٣۔ الکامل فی التاریخ، اردو، جلد ٢، ص ٥٣۔٥٤۔

٧٤۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ٦٩۔٧٠۔

٧٥۔ ایضاً، ص ٦٩۔

٧٦۔ ایضاً

٧٧۔ ایضاً، ص ٦٩

٧٨۔ اصلاحی، امین احسن، مقالات اصلاحی، (لاہور، فاران فاؤنڈیشن، اگست، ١٩٩١ء) جلد اول، ص ٣٧

٧٩۔ نسائیات، ص ٨٢

٨٠۔ پرویز، معراج انسانیت، (لاہور، طلوعِ اسلام ٹرسٹ، اکتوبر ٢٠٠٢ء) ص ٣٧٥

٨١۔ سہ ماہی التفسیر، کراچی، (کیا جہیز دینا سنت ہے؟ از علامہ جعفر شاہ پھلواری) جنوری تا مارچ ٢٠٠٥ء، جلد ١، شمارہ ١، ص ٩٧

٨٢۔ ایضاً، ص ٩٨

٨٣۔ ایضاً

٨٤۔ نسائیات، ص ٥٨

٨٥۔ صدیقی، محمد یٰسین مظہر، ڈاکٹر، مکی اسوۂ نبوی ﷺ، مسلم اقلیتوں کے مسائل کا حل، (کراچی، اسلامک ریسرچ اکیڈمی، دسمبر ٢٠١٠ء) ص ٩١۔٩٢

۸۶ سنن ابن ماجہ ما ابواب النکاح، حدیث ۱۸۴۶، (لاہور، مکتبہ العلم۔س ن) ج ۲، ص ۱۷

۸۷ ایضاً، حدیث ۱۸۴۷،۔

۸۸ ایضاً، باب لغنا الدوف، حدیث ۱۹۰۰، ص ۳۸

۸۹ بحوالہ ترمذی، ابواب الفرائض، باب ماجاء فی میراث المال۔

۹۰ بحوالہ ترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء لانکاح الا بوالی۔اور ابوداؤد، کتاب النکاح، باب الولی۔

۹۱ صدیقی، محمد نجات اللہ، ڈاکٹر، اسلام کا نظریہ ملکیت، (لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ستمبر ۱۹۹۸ء) ج ۲، ص ۹۶

۹۲ بحوالہ ترمذی، ابواب الفرائض، باب ماجاء من ترک مالاً فلورثته،

۹۳ اسلام کا نظریہ ملکیت ج ۲، ص ۹۸۔۹۹

۹۴ ایضاً ، ص ۱۰۰

۹۵ سورۃ النور (۲۴) آیت: ۵۵

۹۶ آیت مذکورہ کے تحت ایک لگ مضمون (آیت استخلاف کی قرآنی تفسیر) لکھا ہے جو عنقریب، ماہنامہ صوت الحق، کراچی میں شائع ہونے والا ہے۔مزید تفصیل کے لیے جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کی ضیا القرآن اور اعلامہ عبدالشکور لکھنویؒ کی تفسیر لکھنوی کا مطالعہ کیجیے۔

۹۷ سلام کا نظریہ ملکیت، ج ۲، ص ۱۰۷۔

۹۸ ایضاً ، بحوالہ بلادی، فتوح البلدان ص ۱۳۵۔

۹۹ ایضاً، ج ۲، ص ۱۱۰